برنارڈ ہیکل (Bernard Haykel)
ترجمہ: افتخار شروانی

میانہ رو مسلمانوں کی خاموشی

پروفیسر بی، ہیکل، نیویارک یونیورسٹی میں 'ادارہ مطالعاتِ مشرقِ وسطیٰ میں پروفیسر ہیں، اُنھوں نے مشرقِ وسطیٰ اور پاک و ہند میں مسلم اداروں مثلاً دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بارے میں اپنے تأثرات بیان کیے ہیں۔ ان تأثرات کی 'قدر و قیمت' کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پروفیسر موصوف کی رائے میں دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سعودی نظریات سے متاثر ہیں۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ یہ دونوں علمی ادارے خاص طور پر دارالعلوم دیوبند اپنی ایک دینی روایت اور نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ دعویٰ کہ یہ دونوں ادارے 'سعودی نظریات' سے متاثر ہیں، محلِ نظر ہے۔ (ایڈیٹر)

۱۱رستمبر کے حادثے کے بعد میانہ رو مسلمانوں کی خاموشی سے امریکہ میں بہت سے لوگوں کو حیرت ہوئی ہے، بعض مشہور مسلمان اہلِ علم نے مشرقِ وسطیٰ اور مغربی ممالک میں ابتدائی دَور میں اس کی مذمت کی، لیکن ایک بڑی تعداد میں مسلمانوں نے یہی تاثر دیا کہ وہ اُسامہ بن لادن کے سامنے جنہوں نے اُن کے مذہب کو اغوا کر لیا تھا، بہ دل ناخواستہ سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔

میانہ رو، اعتدال پسند مسلمان، یعنی وہ مسلمان جو سیاسی اغراض کے لیے تشدد کے استعمال کو غلط سمجھتے ہیں، اپنی تحریروں میں یا ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے کوئی باقاعدہ منظم ردِ عمل

واضح نہیں کر سکے ہیں۔ چند مستثنیات ضرور ہیں، جیسے کیلیفورنیا یونیورسٹی (UCLA) کے خالد ابوالفضل جنہوں نے 'متشدد اسلام' کی مخالفت کی ہے، لیکن اُن کے ہمنواؤں کی آواز کی گونج مسلم دنیا میں نہیں سنی گئی۔ اس کی جگہ، عام مسلمانوں کی اکثریت نے شک وشبہ کا اظہار کیا ہے، بلکہ اپنے ہم مذہبوں کا اس حادثے سے کسی تعلق کا انکار کیا ہے۔

اسی سال، گرمی کے موسم کے میں، مَیں نے مشرقِ وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کا لمبا سفر کیا، مسلمان علماء سے ملاقاتیں کیں۔ مسجدوں اور مدرسوں میں گیا، کتابوں اور کیسٹ (Cassette) کی دکانوں میں گیا۔ ریڈیو اور ٹی وی پر مختلف پروگرام سنے اور دیکھے۔ کتابوں کی دُکانوں پر ایسی کتابیں کثرت سے نظر آئیں، جن میں اسامہ بن لادن کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔ ۱۱ر ستمبر کے حادثے کو امریکی کی فوج کی سازش اور یہودیوں کی رہبری میں ایک پوشیدہ طاقت سے منسلک کیا گیا ہے۔ مسلم ورلڈ لیگ کے ایک سعودی ملازم نے مجھ سے کہا کہ ''مختصراً یہ کہ ۱۱ر ستمبر کے تمام واقعات اور ان کے بعد جو کچھ بھی ہوا، اُن کا ایک واحد مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا اور تباہ کرنا تھا۔''

چند اشخاص نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ ۱۱ر ستمبر کے حادثے میں امریکہ کا کافی نقصان ہوا، وہ اعلانیہ اُسامہ بن لادن اور القاعدہ تحریک کی مخالفت کر رہے تھے۔ ہندوستان میں دیوبند کے ایک فقیہ نے تو یہاں تک کہہ دیا: ''اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ۱۱ر ستمبر کے حادثے میں اُسامہ بن لادن کا ہاتھ تھا، تب بھی اُن کو اسلامی قانون کے تحت سزا نہیں دی جا سکتی، کیوں کہ اُن کے افعال ایک ایسے نقطۂ نظر کا نتیجہ تھے، جس کی بنیاد اجتہاد تھا۔''

مجھے ایسے میانہ رو مسلمان بھی ملے، جنہوں نے اس حادثے کی مذمت کی، اُنہوں نے کہا کہ اس سے اسلام کی بدنامی ہوئی ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے نمائندے نہیں ہیں۔ لیکن جب میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی رائے اعلانیہ مشتہر کی ہے تو وہ چپ رہے، آخر اس خاموشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

ایک فوری وجہ تو یہ ہے کہ القاعدہ نے مشرقی افریقہ، عدن اور ۱۱ر ستمبر، سکے بعد

دیگر ے جو حملے کیے اور اُن کے خلاف جو امریکی فوج کا ردِ عمل ہوا، اس نے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات جما دی کہ امریکہ مسلم امہ کا دشمن ہے۔ اس تاثر کو اس نظریے سے بھی تقویت پہنچی کہ امریکہ اسرائیل حکومت کی پشت پناہی کر رہا ہے، فلسطینی انتفاضہ کی مخالفت اور عراق پر حملہ کی دھمکی کے ذریعے۔

اس طرح مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ کئی محاذوں پر اُن کے خلاف بلاواسطہ فوجی حملے کا خطرہ ہے، لکھنؤ کے مشہور تعلیمی ادارے، ندوۃ العلماء کے ایک عالم نے اپنے احساسات کا ان الفاظ میں اظہار کیا: ''مسلمانوں کے خلاف ایک بین الاقوامی گٹھ جوڑ وجود میں آ گیا ہے، اور اس کا سرغنہ امریکہ ہے۔ یہ ایک کمان کی شکل میں ہندوستان کی ہندو بنیاد پرستی سے شروع ہو کر چین اور روس ہوتا ہوا مغرب میں یورپ اور امریکہ میں ختم ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی دنیا کو گھیرے میں لے کر اُس کا گلہ گھونٹ دیا جائے گا۔''

میں نے اپنے تمام سفر میں نہ صرف امریکہ کی حکمتِ عملی کے خلاف بلکہ امریکی اقدار کے خلاف واضح اور بے مثال نفرت کا مشاہدہ کیا، چونکہ دشمن بے حد طاقتور ہے، اس لیے مسلمان اپنے اندرونی اختلافات منظرِ عام پر نہیں لانا چاہتے۔ مسجدوں میں، خطبوں میں، ریڈیو اور ٹی وی پر تقریروں میں اس بات پر اصرار ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دشمن کے خلاف مضبوط اور متحد ہونا چاہیے، بعض مذہبی رہنما، جن کی اکثریت شیعہ ہے، امریکی کمپنیوں کی بنائی ہوئی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کی وکالت کر رہے ہیں۔

بیروت میں جولائی کے مہینے میں اس قسم کے بائیکاٹ کے حق میں فتوے اور اشتہار شائع ہو رہے تھے۔ لہٰذا اگر اسی ماحول میں میانہ رَو مسلمان کسی قسم کی نکتہ چینی کریں تو اُن کو اُمت کی حمایت کے مخالف غدار سمجھا جائے گا۔

میانہ رو مسلمانوں کی خاموشی کی وجوہات تاریخی ہیں، پچھلے پچاس سالوں میں ایسے مسلمانوں کو علمی اور سیاسی منظر میں سیاسی سرگرم عمل گروہ ایک نئی پود نے پیچھے دھکیل دیا ہے، یہ ہیں سلفی یا وہابی۔

اسامہ بن لادن سلفی ہے، سلفی اسلام کی تشریح میں، لفظ پرست ہیں، وہ نئی دنیا کی مغربی اقدار کو اسلام کے منافی سمجھتے ہیں، اکثر و بیشتر وہ روایتی مذہبی علم میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ وہ اسلام کا ایک سہل، خیالی، مثالی تصور پیش کرتے ہیں جو اُن کی رائے میں مستند ہے اور ان مغربی اقدار کا مخالف ہے، جن سے اسلام کو خطرہ ہے۔ ۱۹۷۰ء کے بعد سلفیوں نے بعض وجوہات کی بنا پر کافی شہرت پائی ہے۔

(۱) بیسویں صدی میں مسلمان ملکوں نے میانہ رو علماء کو سرکاری ملازمتوں کے ذریعے اپنا ہم خیال بنالیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ عالم حکومتوں کے ترجمان بن گئے، ان حکومتوں نے جو حکمتِ عملی اختیار کی، اس کی حمایت میں ان علماء نے اسلامی حوالے پیش کیے۔ اس کی ایک مثال وہ فتویٰ ہے جو مصر کے مفتی نے اسرائیل کے ساتھ امن سمجھوتے کے حق میں دیا، اسی طرح ایک اور فتویٰ بچوں کی تعداد کم کرنے کے لیے مانع حمل طریقے استعمال کرنے کے حق میں دیا گیا۔ ان سے عام مسلمانوں کی نظر میں ایسے علماء کی وقعت اور اعتماد کم ہوا ہے۔

(۲) بعض عرب ممالک جنہوں نے قوم پرست، سیکولر حکمتِ عملی اختیار کی۔ سیاسی اور معاشی لحاظ سے ناکام رہے، اُن کا طور طریقہ آمرانہ تھا اور اُنہوں نے عوام پر ظلم بھی کیا۔ لہٰذا مسجدیں حکومت کی مخالفت کا مرکز بن گئیں اور اس کی باگ ڈور تشدد پسند نوجوانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ یہ نوجوان ایرانی انقلاب اور افغانستان کے مجاہدین سے متاثر تھے۔

(۳) غالباً سب سے زیادہ معنی خیز وجہ، اعتدال پسند مسلمانوں کی خاموشی کی وہ ڈالر ہیں جو سعودی عرب کی حکومت اور خلیج فارس کے شیوخ نے مہیا کیے ہیں۔ اربوں ڈالر سلفی اسلام کی تشہیر پر خرچ کیے گئے ہیں۔ نجد میں سلفی اسلام ایک ہزار سال سے زیادہ سے چھایا ہوا ہے۔ اس کے برعکس، روایتی اسلامی تعلیم کے مرکز مالی امداد سے محروم رہے ہیں۔ اُن کے لیے یہ ممکن نہیں ہوسکا کہ وہ ایسے عالم پیدا کرسکیں جو سلفیوں اور مسلمان ملکوں کی آمرانہ حکومتوں کی عقلی للکار کا کامیاب مقابلہ کرسکیں۔

پچھلی اگست جب میں ہندوستان گیا تو مجھے یہ نظر آیا کہ سعودی حکومت اب بھی ایسے

مدرسوں کی امداد میں مصروف ہے، جو اسلام کی سعودی تشریح کے حامی ہیں، ان مدرسوں کے طالب علموں کو سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔ پچھلے تیس سالوں میں مسلم دنیا کا نقشہ بدلنے میں جو کردار سعودی عرب نے ادا کیا ہے، وہ کسی مبالغے کا محتاج نہیں۔ مثلاً یمن میں سلفی تبلیغ اور مالی امداد نے یمن کے روایتی فرقوں زیدی اور شافعی کو بے حد کمزور کر دیا ہے۔ زیدی تو غالباً نیست و نابود ہو گئے ہیں۔

اسی طرح کی صورتِ حال پاکستان میں دیکھی جا سکتی ہے، جہاں جنوبی ایشیا کا معروف چہرہ یعنی صوفیانہ روایت، اب سلفیوں کے حملوں کا شکار ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں دیوبند اور ندوۃ کے حنفی علماء ہندوستان کے روایتی اسلامی عقائد اور رواج کی مذمت کرتے ہیں اور سعودی نظریات کو ترجیح دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ اہم عنصر سعودیوں اور خلیج کے شیخوں کی یہ اہلیت ہے کہ وہ عربی ذرائع ابلاغ کے مالک ہیں، جہاں سلفی نظریات پر نکتہ چینی ممنوع ہے اور مذہبی معاملات پر بحث و مباحثہ احتساب کا پابند ہے۔

لیکن میرا مشاہدہ یہ بھی تھا کہ ۱۱رستمبر کے بعد اس قسم کی احتسابی پابندی کم ہو رہی ہے، مثلاً میں نے غیر سلفی علما کے مکالمے، اقراء، ایم بی سی (MBC) اور الجزیرہ ٹی وی پر دیکھے۔ اگر اسے تبدیلی کہا جا سکتا ہے تو یہ واضح نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو عالم ہیں یا متقی ہیں اور شیوخ کے استعارے اور حوالے سمجھنے کے اہل ہیں۔

اس سلفی حملے کے تناظر میں یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ بعض ممتاز، میانہ رو شخصیات جیسے طارق رمضان اور نصر حامد ابوزید نے مغربی ملکوں میں پناہ لے لی ہے۔ اسی طرح جو مسلمان مغربی ملکوں میں پیدا ہو رہے ہیں، اُن کے لیے ممکن ہے کہ وہ میانہ رو اسلام کا ہراول دستہ بن سکیں۔ مثال کے طور پر حمزہ یوسف اور نوح کیلر (Keller)۔ لیکن مغرب میں رہائش بہ ذاتِ خود الگ تھلگ ہو جانے کا ایک رُخ ہے۔ اس لیے کہ اور باتوں کے علاوہ مغرب میں رہنے والے، مسلمان ملکوں میں رہنے والوں کی پریشانیوں میں اُن کے شریک نہیں ہیں۔

اس سے زیادہ معنی خیز یہ بات ہے کہ سلفی پیغام میں مسلمانوں کے موجودہ دنیا میں

کردار اور مغربی جدیدیت سے اُن کی بیزاری جیسے عوامل کی گونج سنائی دیتی ہے۔ سلفی نقطۂ نظر سوالات کے واضح جوابات دیتا ہے، ایک مضبوط اور توانا اسلام کی عکاسی کرتا ہے، جن کی وجہ سے اس کی اپیل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب تک میانہ رو مسلمان (اپنے فکر و عمل میں) اس قسم کا (واضح اور متحرک) طرزِ عمل اختیار نہیں کریں گے، اس وقت تک وہ حالیہ بحث سے باہر ہی رہیں گے۔ وہ بحث جس کا موضوع ہے کہ مسلمان ہونے کے اصلی معنی کیا ہیں؟ اور اسلامی شناخت کے خدوخال کی مستند تعریف کیا ہے؟